بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

سرجری اسلام کے قرونِ اولیٰ میں

مولانا محمد عبداللہ طارق رفیق ندوۃ المصنفین، دھلی

(۱)

یہ مقالہ کویت میں گذشتہ دوسری بین الاقوامی اسلامی طبی کانفرنس کے لیے عربی میں لکھا گیا تھا، یہ جس موضوع پر لکھا گیا ہے نیا ہے اور اس میں بڑی تحقیق اور کاوش سے بعض ایسی معلومات فراہم کردی گئی ہیں جو طب جدید کے اساتذہ اور طلبہ کے لیے حیرت انگیز ہوں گی، مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود پلاسٹک سرجری کرنا اور اس سلسلہ میں اوروں کو مشورہ دینا، اس بنا پر جب یہ مقالہ میری نظر سے گذرا تو میں نے اس کے اردو ترجمہ کی فرمائش کی اور اب شکریہ کے ساتھ اسے قارئین برہان کی نذر کیا جاتا ہے: اڈیٹر۔

تعارف مقالہ

اس مقالے میں سرجری (العملية الجراحية) کا آغاز اور عہد نبوی میں اس کا وجود اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدگی اور اس کے لئے آپ کا حکم دینا اور اسلامی ماحول میں اس کی مقبولیت وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح عہد رسول کے اور بعد کے مسلم سرجنوں کے کارناموں کا تعارف بھی کرایا گیا ہے۔ اس مقالے میں خاص کوشش اس بات کی کی گئی ہے کہ تاریخ طب کے علاوہ اس [illegible] جو معلومات اسلامی تاریخ اور کتب حدیث و

سیرت میں درج ہیں جن تک عموماً تاریخ طب لکھنے والوں کی نظر نہیں پہنچی، ان سے بھی استفادہ کیا جائے، یہ معلومات طبی دنیا کے لئے کسی قدر نئی بھی ہونگی اور ان کتابوں کا درجۂ استناد بھی کتب تاریخ کے مقابلہ میں بدرجہا فائق ہے۔

یہ چونکہ عالمی کانفرنس میں پڑھا جانے والا ایک مقالہ ہے اس لئے اس کی ضخامت محدود رکھنا ضروری تھا لیکن اگر اس موضوع پر کوئی محقق ایک مستقل کتاب لکھے گا تو ابھی اور بہت کچھ لکھنے کی ضرورت باقی ہے۔

آغاز علمی دنیا میں ہمیشہ چراغ سے چراغ جلتا رہا ہے، کوئی خطۂ زمین اور کوئی قوم یہ دعویٰ نہیں کرسکتی کہ ہمارے علوم کسی غیر کے استفادے سے آزاد اور پوری طرح ہمارے ذہن کی پیداوار ہیں۔ چنانچہ عربوں کے دل و دماغ کو جب نور اسلام نے روشن کیا تو ان میں علم کے لئے ایک کبھی نہ بجھنے والی پیاس پیدا ہوگئی، پیغمبر اسلام نے ببانگ دہل فرمایا کہ الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن فحیث وجدھا فھو احق بھا۔ حکمت و دانائی کی بات مومن کی متاع گم گشتہ ہے اسے جہاں بھی ملے وہی اس کا سب سے بڑا حقدار ہے، یہ بات اسلام نے اپنے پیروؤں کے دماغ ہی میں نہیں بٹھادی بلکہ ان کی فطرت میں رچابسادی، ان کے خمیر میں گوندھ دی، ہوا اور پانی کی طرح یہ بات ان کے لئے لازمۂ حیات بن گئی۔ اب جو انھوں نے دنیا پر نظر ڈالی تو علم و حکمت کے موتی دنیا کے چپہ چپہ پر بکھرے ہوئے تھے، دائیں بائیں دیکھا تو روم اور فارس کے آسمان سے باتیں کرتے ہوئے تمدن تھے، پیچھے دیکھا تو ایسے ہی کلدانیوں اور عراقیوں کے بے شمار علوم تھے، آگے کی طرف دیکھا تو کام کرنے کا ایک لامحدود میدان پڑا تھا انسانیت جہل کے اندھیرے میں

ترمذی، ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ، وابن عساکر عن علی رض (سیوطی جامع صغیر ص ۹۸/۲ (مصر تاریخ ندارد)

میں بسنگ رہی تھی اس کی ہمہ جہتی خدمت کرنا اپنا فرض تھا پیارے رسول فرما چکے تھے کہ الخلق کلھم عیال اللہ فاحبھم الی اللہ انفعھم لعیالہ[۲]۔ ساری مخلوق اللہ رب العالمین کا کنبہ ہے اللہ کو اپنا وہ بندہ سب سے زیادہ پسند ہے جو اس کے کنبے کے لئے زیادہ سے زیادہ نفع بخش اور مفید ہو۔ اس چیز سے انسانیت بلکہ تمام مخلوق کی خدمت کا جذبہ پیدا ہوا۔ پھر نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ رُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰی للعلم من سامع[۳]۔ علم کے پہلے امین سے بسا اوقات بعد کا سیکھنے والا بڑھ جاتا ہے چنانچہ اہل اسلام نہایت بلند حوصلوں سے زندگی کے ہر میدان میں آگے بڑھے اور اس چودہ سو سال پہلے کے زمانے میں انھوں نے زمین کی طنابیں کھینچ کر مشرق و مغرب اور شمال و جنوب ایک کر ڈالا اور اطلبوا العلم ولو کان بالصین[۴] کے ارشاد نبوی کا اپنی زندگی سے ثبوت دیدیا۔ انھوں نے اولین و آخرین کے جملہ علوم کی کتابیں تلاش کر کر کے انکے تراجم کیئے ان کا مطالعہ کیا اور ان میں مہارت پیدا ...... کی اور آخر الامم ہونے کے باوجود انھوں نے ثابت کردیا کہ ؎

وانی وان کنتُ الاخیرَ زمانہ
لآتٍ بمالم تستطعہ الاوائل

(میں اگرچہ زمانے کے لحاظ سے اخیر میں ہوں مگر میں نے وہ کر دکھایا جو پہلوں سے نہ ہوسکا)

انہی علوم میں کلدانیوں، عراقیوں اور یونانیوں اور مصر و شام اور ہندوستان

---

[۲] ابو یعلیٰ، بزار عن انس رض۔ طبرانی عن ابن مسعود رض (حوالۂ سابق)

[۳] ترمذی ابن ماجہ عن ابن مسعود رض۔ داری عن ابی الدرداء رض (خطیب تبریزی، مشکوٰۃ ص ۳۵ دہلی ۱۳۷۵ھ)

[۴] عقیلی، ابن عدی، بیہقی، ابن عبدالبر عن انس رض (سیوطی، جامع صغیر ج ۱ ص ۴۳ (مصر تاریخ ندارد)

کے علوم طب بھی تھے جن کی کتابیں تلاش کر کر کے ان کے تراجم کئے گئے اسی کے ساتھ عرب کے قدیم علم طب کو جیسے علم الحشائش والعقاقیر (جڑی بوٹیوں کا علم) کہتے تھے اس کو بھی مدوّن کیا جس کے حامل عہد قدیم میں حضرت لقمان حکیم تھے اور اس کے بعد اس کا سب سے بڑا ماہر قدیم عرب سرجن ابن حذیم[۱] تھا جو قبیلہ بنو تیم الرباب سے تعلق رکھتا تھا اس کی سرجری کی مہارت عرب میں ضرب المثل تھی، جب کوئی شخص (جراح) دیگر علاج کرنے کے طریقہ کا ماہر ہوتا تھا تو اس کی تعریف میں کہتے تھے کہ اَطَبُّ بِالْکَیِّ مِن ابن حذیم یعنی ابن حذیم سے بھی بڑھکر ماہر کیٔ ہے

اوس بن حجر تمیمی جاہلی شاعر کہتا ہے[۲] ۔

فهل لكم فيها الىّ فاننى طبيب بما اعيى النطاسى حذيما

(اگر اس محبوبہ کو تم کسی طریقے سے میرے پاس لانے کا انتظام کرسکو تو میں ایسا معالج ہوں کہ جہاں حذیم جیسے ماہر ناکام ہو جاتے ہیں میں اس کا بھی علاج کرسکتا ہوں

اہل اسلام نے یونانیوں، کلدانیوں، اسکندرانیوں، عراقیوں، اطباء جزیرہ، اطباء دیار بکر، اطباء ہند، اطباء مغرب مراکش وغیرہ اور اطباء مصر و شام کے علوم طب و جراحت کو صرف عربی زبان میں نقل کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان میں مہارت پیدا کر کے ان کو ترقی کی معراج پر پہنچا دیا۔

---

[۱] اسے ابن حذف کر کے صرف حذیم بھی کہا گیا ہے۔

[۲] اس کا مختصر ذکر ابن السکیت نے شرح دیوان میں اور افریقی نے لسان العرب ج ۱۲ صلالا میں کیا ہے اور خیر الدین زرکلی نے الاعلام ج ۲ ص۱۸۱ (طبع سوم) میں کچھ حالات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

علوم کی تقسیم اور مختلف شاخوں میں تخصص و مہارت

دیگر علوم کی طرح جب علوم طب میں بھی پھیلاؤ زیادہ ہوگیا تو اس کی بہت سی شاخیں بنا دی گئیں اور ہر شاخ کے لئے الگ الگ لوگوں نے اپنی زندگیاں وقف کرکے اس کو بام عروج پر پہنچایا چنانچہ کچھ کحال (ماہر امراض چشم) کچھ جراح (سرجن) کچھ فصّاد (فصد کھولنے والے) کچھ اسنانی (ماہر امراض دنداں) اسی طرح کچھ معالج النساء (امراض نسواں کے ماہر) معالج المجانین (پاگلوں اور دماغی بیماروں کے معالج) ہوئے اس کو جرجی زیدان نے تفصیل سے بیان کیا ہے[1]۔

امراض چشم پر چند کتابیں

امراض چشم کے بڑے بڑے ماہر ہوئے ان میں خاص طور پر ایک بڑا مشہور نام ایک خاتون معالج کا ہے زینب جو بنی اود کے قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں ان کی مہارت فن کے دور دور چرچے تھے۔ اسی طرح احمد بن صبح[2] الصابی، جبرئیل الکحال، شریف الکحال، علی بن عیسیٰ الکحال صاحب تذکرۃ الکحالین، حنین بن اسحٰق وغیرہ۔

اس فن کی چند مشہور کتابوں کے نام درج کئے جاتے ہیں جن میں آنکھ کی جراحی کی بحثیں بھی بہت تفصیل سے درج ہیں ان میں ابھی بھی بہت سی کتب ہیں جو زمانے کی ناقدری کا شکار ہو کر ناپید ہو چکی ہیں، ترکیب العین، شفاء العیون، کشف الرین فی احوال العین، نتیجۃ الفکر فی احوال البصر[3]، یوحنا بن ماسویہ کی دو کتابیں: معرفۃ محنۃ الکحالین و دغل العین[4]، اسی طرح محمد بن زکریا الرازی نے اپنے شاگرد یوسف بن یعقوب کے لئے ایک کتاب لکھی ہے، ادویۃ العین وعلاجہا ومداواتہا[5] علاء الدین علی بن عبد الکریم الصفدی الکحال (وفات ۷۲۰ھ/ ۱۳۲۰ء) کی کتاب القانون فی امراض العین[6] حفید بن زہر (ولادت ۵۰۷ھ

---

1. بحوالہ سابق ج ۳ ص ۲۰۶ 2. حاجی خلیفہ، کشف الظنون ج ۲ ص ۱۴۶۵، استنبول ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء
3. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء ص ۲۵۵، بیروت ۱۹۶۵ء 4. المصدر السابق ص ۲۴۶
5. الزرکلی، الاعلام ج ۵ ص ۱۱۶

۱۱۳۸ھ وفات ۵۹۵ھ مطابق ۱۱۹۹ء) جو مشہور ابن زہر کا بیٹا تھا اور حفید ابن زہر (یعنی ابن زہر کا پوتا) کے لقب سے مشہور تھا اس نے بھی طب العیون کے نام سے معالجات چشم پر ایک کتاب لکھی۔[۱۲]

اودیہ مفردہ پر کتابیں | ایک مستقل شاخ علوم طب کی ادویہ مفردہ بھی قرار پائی اور اس پر بھی لوگوں نے زندگیاں وقف کیں اور جڑی بوٹیوں کی تلاش اور اس کی شناخت اور ہم شکل بوٹیوں کے باہمی فرق وغیرہ جاننے کے لئے جنگل جنگل چھانتے پھرے اور اس پر بڑی مختلف کتابیں لکھیں جن میں ان کے خواص ان کی شکلیں، رنگ، ذائقے، مقامات پیداوار پھر ہر خطے کی جڑی بوٹیوں کے دوسرے خطوں کی جڑی بوٹیوں سے فرق و امتیاز اور تاثیر قوۃ وضعف وغیرہ پر بڑی دیدہ ریزانہ اور دقیق بحثیں کیں یہ لوگ "النباتین" کہلاتے تھے اس فن میں زیادہ شہرت نافقی[۱۳] نے، ابو داؤد سلیمان بن حسان الاندلسی جو ابن جنجل[۱۴] سے مشہور ہوا وفات بعد از ۳۷۷ھ) اور رشید الدین الصوری،[۱۵] سابور بن سہل[۱۶] وغیرہ نے پائی اور اخیر میں خاتمۃ النباتین ضیاء الدین عبد اللہ بن احمد البیطار جو ابن البیطار کے نام سے مشہور ہوا اس کی شہرت کے سورج نے تو سارے چاند تاروں کو چھپا دیا، اس کی کتاب الجامع لمفردات الادویۃ جو مفردات ابن البیطار کے نام بھی جانی جاتی ہے۔ اس نے ساری دنیا کی نظریں اپنی طرف لگا لیں اور روز تصنیف سے آج تک ہر دور میں مقبول رہی اور اطباء کو ہر دور میں اس پر اعتماد رہا حتیٰ کہ مورخ جرجی زیدان کہتا ہے کہ: وکان علیہ معول اھل اوربا فی نھضتھم الاخیرۃ[۱۸] یعنی یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں ایسی کتاب پر ان کے علم الادویہ کا دار و مدار تھا۔

---

[۱۲] الزرکلی، الاعلام ج ۵ ص ۱۱۱　　[۱۳] حوالہ سابق ج ۷ ص ۱۲۹

[۱۴] ابن ابی اصیبعہ عیون الانباء ص ۵۰۳ - [۱۵] المصدر السابق ص ۴۹۳ اسماعیل پاشا بغدادی ہدیۃ العارفین ج ۱ ص ۳۹۶ (استنبول ۱۹۵۱ء) [۱۶] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء ص ۲۹۹، [۱۷] انہوں نے ایک کتاب تبادل دوا کے بارے لکھی ہے کہ اگر فلاں دوا دستیاب نہ ہو تو اس کی جگہ فلاں دوسری دوا کام دے سکتی ہے۔ یہ بحث دیگر کتب مفردات میں عموماً دواؤں کے ساتھ ساتھ لکھی جاتی ہے۔ حوالہ سابق ص ۳۳۵، [۱۸] جرجی زیدان تاریخ التمدن الاسلامی ج ۳ ص ۱۸۲

جرجی زیدان نے لکھا ہے کہ آج کل کے یورپ کے طریقے کے مطابق اسلامی دور میں بھی الگ الگ اعضاء جسمانی اور الگ الگ بیماریوں کے اسپیشلسٹ ہوا کرتے تھے۔

انھی خصوصی شاخوں میں علوم طب کی شاخ سرجری بھی تھی جسے مسلمانوں نے بلندی کی اس ثریا تک پہنچایا کہ آج بھی سرجری اپنے بلند بانگ دعوؤں اور معجزنمائیوں کے باوجود اس سے آگے نہیں پہنچ سکی ہے ہاں ابھی عہد حاضر کی سرجری اسلامی عہد کی سرجری کے برابر نہیں ہوسکی ہے، آج بھی یورپ کے سرجنوں کے ہاتھوں میں سرجری کے جو آلات ہیں وہ مسلم سرجن الزاہراوی کی کتاب میں دی ہوئی تصویروں کو دیکھ کر بنائے گئے ہیں۔ جیساکہ آگے انشاء اللہ معلوم ہوگا۔

سرجری کا قدیم نام اور موجودہ نام۔ تاریخ وطب کی کتابوں کے مطالعہ اور استقراء سے ظاہر ہوتا ہے کہ اول اول اس کام کے لئے الشق اور القطع کا لفظ بولا جاتا تھا، مگر جیساکہ ان الفاظ کے معنی سے ظاہر ہے یہ الفاظ محدود مفہوم رکھتے تھے پہلے کا مطلب ہوتا ہے شگاف دینا اور دوسرے کا مطلب ہوتا ہے کاٹنا جبکہ سرجری میں اور بھی بہت کام ہوتے ہیں جو ان دونوں لفظوں کے دائرے سے باہر ہیں مثلاً زخم یا شگاف کی سلائی ہی کو لے لیجیے کہ یہ سرجری کا ایک بالکل ہر وقت کا کام ہے مگر نہ لفظ شق میں آتا ہے نہ قطع میں، اس لیے اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے ایک وسیع لفظ تجویز ہوا عمل الید (ہاتھ کا کام، یعنی علاج کے دوران ہاتھ سے کیا جانے والا کام) اور کبھی العمل بالید بھی بولا جاتا تھا۔ اسی طرح چونکہ اس کام میں لوہے کے اوزاروں سے بھی مدد لی جاتی ہے اس لیے بہت سی کتابوں میں العلاج بالحدید بھی بولا جاتا ہے (یعنی لوہے کے ذریعے علاج) اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس میں لوہے کو بطور دوا کے استعمال کیا جاتا ہے بلکہ اس کا مفہوم ہے العلاج الذی یُستعان فیہ بِالآتِ الحدید (وہ طریقۂ علاج جس میں

لہ حوالہ سابق جلد ۲ صفحہ

لوہے کے اوزاروں سے مدد لی جاتی ہے) آگے جہاں ہم اس فن کی مشہور کتابوں کے نام ذکر کریں گے وہاں کتابوں کے ناموں میں ان دونوں الفاظ کا استعمال ملے گا۔

البتہ آج کل اس مفہوم کے لیے العملیۃ الجراحیۃ یا العمل یا العملیۃ یا صرف الجراحیۃ کے الفاظ بولے جاتے ہیں۔

سرجری یا العملیۃ الجراحیۃ کی تعریف | کشف الظنون میں حاجی خلیفہ[۱۰] نے اس فن کی تعریف بہت جامع اور اس کی جملہ شاخوں کو محیط کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ سرجری وہ علم ہے جس میں ذی روح کے جسم کو پیش آنے والے ہر قسم کے زخموں سے بحث ہوتی ہے کہ وہ کیسے ٹھیک ہوں اور یہ کہ وہ کس قسم کے ہیں، اور اگر ان میں شق و قطع کرنے کی ضرورت ہے تو وہ کس طرح کیا جائے اور کس زخم میں کون سا مرہم اور کونسا ضماد استعمال کیا جائے اور اس کام میں کون کون سے آلات کی ضرورت پڑتی ہے ان سب باتوں سے واقفیت حاصل کرنا۔ اور اسی علم کے تحت ہڈیوں کا جوڑنا اور آنکھوں کی جراحی بھی شامل ہے جس کا ایک مستقل نام القدح (جراحی چشم) بھی ہے[۱۱]۔ یہ علم علم سے زیادہ عمل پر موقوف ہے۔ یعنی اس میں جاننے سے زیادہ عملی، تجربی (پریکٹیکل PRECTICAL) کی ضرورت زیادہ۔

سرجری کا آغاز | سرجری کا آغاز پاؤں کا کانٹا نکالنے سے ہوتا ہے اور دل کے نازک ترین اوپریشن تک پہنچا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ پاؤں کا کانٹا نکالنے کی ابتداء انسان کے قدم سطح زمین پر پڑنے سے ہی ہو جاتی ہے، اس سے ایک قدم آگے بڑھیے تو بدن میں گھسا ہوا تیر نکالنا اور پھنسے اور پھوڑے چیرنا اور فاسد اعضاء جسمانی کا کاٹنا ہے اور یہ چیزیں ایسی ہیں کہ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک کوئی انسانی آبادی ان چیزوں سے خالی نہیں تھی اور نہ کوئی زمانہ ان چیزوں سے خالی ہوا اس لیے ابتداء فن کی جب بات کی جائے گی تو اس سے

---

[۱۰] حاجی خلیفہ، کشف الظنون ج ۱ ص ۵۸۱ [۱۱] کشف الظنون کا خلاصہ ختم ہوا۔

مراد یہ ہوگی کہ یہ عمل روز مرہ کے سادہ اعمال سے ترقی کر کے باریک اور مشکل اور ایسا کہ ہوا کہ اس کے لیے ایک خاص دِقّتِ نظر، خاص واقفیت اور کمالِ تجربہ کاری ضروری ہو اور اس کے لیے مخصوص آلات، اور ضرورت کی خاص خاص دوائیں اور اثنائے عمل اور بعد از عمل خطرناک نتائج کا اندیشہ ہو اور ان سے احتیاطی تدابیر وغیرہ جب سے کی جانے لگیں وہ وقت دراصل اس فن کی ابتداء کا ہے اور اسی وقت سے اس کو باقاعدہ فن کہا جاسکتا ہے۔

اور اسی منزل پر آکر یہ عمل ایک عامی، ایک گڈریئے اور جرّاحے کے دائرۂ عمل سے نکل کر ایک طبیب کے دائرۂ کار میں شامل ہوتا ہے، اور آج جب ہم لفظ سرجری یا العملیۃ الجراحیۃ بولتے ہیں تو اس سے یہی باقاعدہ فن مراد ہوتا ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ اس باقاعدہ فن کے متعلق بھی یقینی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ فلاں سن میں فلاں شخص نے یا فلاں قوم نے اور فلاں ملک میں شروع کیا تھا اس لیے کہ اس قسم کی ضرورتیں ہر جگہ ہر طبقے کو پڑتی رہتی ہیں اور ہر جگہ کے لوگوں نے یقیناً ضرورت کے تحت اس کا کچھ نہ کچھ حل نکالا ہوگا ضرورت ایجاد کی ماں ہے، جس کو جب ضرورت پڑی ہوگی اس نے اس کے حل کے لیے کوئی نہ کوئی تدبیر نکال لی ہوگی۔ اس لیے یقیناً ہر قوم اور ہر خطے میں وہیں طب کے حالات اور وہاں کے لوگوں کی استعداد کے مطابق سرجری نے ترقی کی ہوگی، اتنا ضرور ممکن ہے کہ کسی علاقے کے لوگ کسی دوسرے علاقے کے لوگوں سے کچھ زیادہ مہارت رکھتے ہوں وفوق کل ذی علم علیم (ہر جاننے والے سے اوپر ایک نہ ایک جاننے والا ہوتا ہے) اس لیے حقیقی ابتداء کب اور کہاں ہوئی اس کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی، اور اگر کسی نے کچھ کہا بھی ہے تو اس کی حیثیت علم سے زیادہ اٹکل اور ظن وتخمین کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سرجری یونان میں اہل اسلام نے مادی علوم ساری ہی دنیا کی اقوام سے لیے ہیں مگر اہل یونان کے علوم نسبتہً زیادہ لیے ہیں اور علوم طب میں بھی بیشتر یونان ہی سے آئے ہیں اور یونان کی تاریخ دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرجری ان کے یہاں بھی خاصی ترقی یافتہ تھی اس لیے

یہاں یونان کے چند ماہر سرجنوں کا ذکر کرتے ہیں۔

بانئ طب ابقراط | ابقراط دیگر اصناف علاج کی طرح سرجری میں بھی مہارت رکھتا تھا اور اکثر و بیشتر اس کا شغل یہی تھا حتی کہ مُبَشِّر بن فاتک نے کتاب "مختار الحکم و محاسن الکلم" میں بقراط کا سرجری میں انہماک بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "کان دائماً فی یدہ اِما مِبْضَع واِما مِرْوَد"[۲۲] یعنی ہر وقت اس کے ہاتھ میں یا تو جراحی کی چھری رہتی تھی یا آنکھ میں سرمہ ڈالنے اور آنکھ کے علاج میں کام آنے والی سلائی رہتی تھی۔

ابقراط کی ایک کتاب امراض مادہ پر ہے جس میں تین مقالات ہیں اس کا دوسرا مقالہ کیمیا اور فصد وغیرہ کے ذریعہ علاج کرنے کے بارے میں ہے، اسی طرح اس کی ایک مستقل کتاب الخَلع ہے یعنی جسم کے جوڑوں اور ہڈیوں کے اتر جانے کا علاج، ایک کتاب سر کے زخموں کے علاج پر جس پر جراحات الراس ہے، اسی طرح کتاب العرم، کتاب فی الجبر، کتاب فی الفصد والحجامۃ ہیں، اور بقراط کی ایک بڑی مشہور اور ضخیم کتاب "قاطیطریون" ہے جس کا عربی ترجمہ عرب مصنفین حانوت الطبیب کرتے ہیں۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اس کتاب کو حانوت الطبیب ہی کے نام سے درج کیا ہے یعنی "دکانِ طبیب" یہ کتاب تین مقالات پر مشتمل ہے[۲۳]، جالینوس نے کہا ہے کہ ابقراط اس کتاب کو بنیادی کتاب قرار دیتا تھا اور اس نے طے کیا تھا کہ طب پڑھنے والے کو یہ کتاب سب سے پہلے پڑھنی چاہیے اور یہی رائے اس کتاب کے تمام شارحوں کی ہے اور جالینوس کہتا ہے کہ خود میری بھی یہی رائے ہے اور

---

[۲۲] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء ص۹۵ (بیروت ۱۹۰۵ء)

[۲۳] حاجی خلیفہ، کشف الظنون ج ا ص ۶۲۴۔

کہتا ہے کہ اس دکان سے البقراط کی مراد یہ ہے کہ وہ دکان جس میں طبیب علاج کرنے کے لیے بیٹھتا ہے، اس لیے وہ کہتا ہے کہ اس کا ترجمہ یہ ہونا چاہیے کہ "کتاب الاشیاء التی تعمل فی حانوت الطبیب[۲۴]" یعنی ان چیزوں کو بیان کرنے والی کتاب جو طبیب اور معالج کی دکان میں کام آتی ہیں۔

ابن ابی اُصَیبَعہ اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

یستفد من هذا الکتاب ما یحتاج الیہ من اعمال الطب التی تختص بعمل الیدین دون غیرھما من الربط والشد والجبر والخیاطۃ ورد الخلع والتنطیل والتکمید وجمیع ما یحتاج الیہ[۲۵]

"اس کتاب سے اعمال طب پر مخصوص طور پر ان باتوں کا علم ہوتا ہے جو صرف "عمل الید" سے تعلق رکھتی ہیں، جیسے کسی عضو پر بند لگانا، کسی عضو پر پٹی وغیرہ باندھنا، ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنا، سلائی کرنا، اترے ہوئے جوڑوں کا چڑھانا، دھار دینا، ٹکور کرنا (سینکنا) اور دیگر وہ تمام کام جن کی اس سلسلے میں ضرورت پیش آتی ہے۔"

جالینوس اسی طرح رئیس الاطباء یونان جالینوس کی پوری زندگی علاج معالجہ میں بسر ہوئی، دواؤں کے ذریعہ بھی اور اوپریشن کے ذریعہ بھی، وہ انسانوں کا علاج کرنے کے ساتھ ساتھ نئے انکشافات کے لیے جانوروں کے جسموں پر تجربات کیا کرتا تھا، اسی طرح وہ انسانی لاشوں پر بھی تجربات کرتا تھا چنانچہ ایک جگہ جالینوس نے تشریح پر گفتگو کے

---

۲۴ ابن ابی اصیبعہ، عیون الانبیاء، ص۵۴ تا ص۵۶

۲۵ حوالۂ سابق۔

دوران امراض قلب کے بارے میں لکھا ہے:

وقد یعرض فی الناس للقلب اورام صلبة غیر حارة، تھزل صاحبھا قلیلا قلیلا حتی تقتلہ بعد مدۃ طویلة۔[۲۶]

(انسانوں کے دلوں پر بعض وقت اورام صلبہ غیر حارہ آجاتے ہیں جو مریض کو دھیرے دھیرے دبلا کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ ایک عرصۂ دراز کے بعد اس کے لیے مہلک ثابت ہوجاتے ہیں)

جالینوس کا بندر پر تجربہ اور اس کے دل کا اوپریشن

اس کے بعد جالینوس نے بندر کے اوپر اپنے ایک تجربے کا اور اس کے دل کے اوپریشن کا عجیب واقعہ بیان کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ:

" انما علمت ذلک من قرد لی کنت اردت ذبحه لأنظر تشریحه، فشغلت عنه مدة وکان القرد یزداد کل یوم هزالا، فلما ذبحته وشققت بطنه وجدت فی لباس قلبه ورما وغلظا ودما ممتلیا رطوبة، فعلمت ان الهزال کان من ذلک[۲۷]

(تجربہ مذکورہ مجھے اس طرح حاصل ہوا کہ میرا ایک بندر تھا جس کے متعلق میں نے سوچ رکھا تھا کہ اس کی تشریح سمجھنے کے لیے اسے ذبح کروں گا، مجھے دوسری مصروفیات میں اس تجربہ کا کچھ عرصہ تک خیال نہ رہا اور وہ بندر

---

[۲۶] ابو منصور حسن بن نوح القمری، غنی منی ص ۲۰۴ و ص ۲۰۵ (قلمی نسخہ، تاریخ کتابت ندارد، محفوظہ لائبریری انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز تغلق آباد۔

[۲۷] حوالہ سابق۔

دن بدن سوکھتا اور دُبلا ہونا شروع ہوگیا، میں نے جب اس کو ذبح کیا اور اس کا پیٹ چاک کیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے قلب کی جھلی پر کچھ ورم اور سختی ہے اور وہاں رطوبت آمیز خون جمع ہوگیا ہے، اس وقت میرے سامنے یہ بات کھلی کہ یہ اسی کی وجہ سے دُبلا ہو رہا تھا۔)

جالینوس کا مُرغ پر تجربہ اور اس کے دل کا اوپریشن

اسی طرح جالینوس نے اس ورم قلب کے اثرات جانچنے کے سلسلے میں جو تجربات کیے ان میں ایک مُرغ کے اوپریشن کا بھی ذکر کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ:

"وقد ذبحتُ مرّة دیکًا فوجدت عند قلبه غلظًا وکان مهزولًا فعلمت ان هُزَله کان من ذلك" [۲۸]

(میں نے ایک بار ایک مرغ کا بھی اسی طرح اوپریشن کیا اور اس کے دل کے پاس بھی کچھ سختی تھی وہ مُرغ بہت دبلا تھا، اس سے میں نے یہ بات سمجھی کہ یہ دُبلاپن اسی وجہ سے تھا۔)

پھر ان تجربات کی روشنی میں وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اسی قسم کے حالات انسانوں کو بھی پیش آتے ہیں: وقد یعرض للانسان مثله ایضًا [۲۹]

بولس اور ارسطا طالیس کے سرجری کے واقعات

فن تشریح اور سرجری میں بولس اور ارسطا طالیس کے بھی بہت سے کارنامے ہیں ہم اس مقالے میں صرف ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس کا ذکر حکیم علی حسین گیلانی نے شرح قانون شیخ میں ایک جگہ ضمنًا کیا ہے، سر کی ہڈیوں کی تشریح پر بحث کرتے ہوئے حکیم گیلانی لکھتے ہیں کہ:

"وقد صادف ارسطا طالیس فی تشریحه راس انسان کان

---

[۲۸] حوالۂ سابق۔ [۲۹] حوالۂ سابق۔

من عظم واحد ليس فيه درز ولا اصلا، وهذا من النوادر[۵۳]"

(ارسطاطالیس کو اپنے اعمال تشریح کے دوران ایک آدمی کا ایسا عجیب وغریب سر دیکھنے میں آیا جو پورا کا پورا ایک ہی ہڈی پر مشتمل تھا اس میں کوئی بھی درز نہ تھی، یہ بات نوادر میں سے ہے۔)

ہیروفیلوس کے اعمال تشریح وسرجری | مؤرخین نے ہیروفیلوس کے اعمال تشریح کا بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

ان هيروفيلوس شرح سبعمائة جثة بشرية. وكتب كتبا كثيرة فقدت جميعها الا بقايا متماسكة في مصنفات مسلسوس الروماني[۵۴]

یعنی ہیروفیلوس نے سات سو انسانی لاشوں کا پوسٹ مارٹم کیا ہے اور بہت سی کتابیں لکھی ہیں جو سب کی سب ضائع ہوگئیں صرف اس کے کچھ علوم مسلسوس رومانی کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔

سرجری عربوں کے یہاں

عربوں کے یہاں اپنے علاقے کے موسم، آب وہوا اور رسم ورواج کے مطابق بہت سارے اعمال جراحی رائج تھے جیسے فصد، حجامت (پچھنے لگوانا)، کی (داغ دینا)، پھوڑے پھنسیوں میں چیرا لگانا، ٹوٹی ہوئی ہڈی کا جوڑنا، زخموں میں خون بند کرنے

---

۵۳ گیلانی، شرح القانون ج ۱ ص ۲۰۱

۵۴ یوحنا ورتبات، مقدمۃ التوضیح فی اصول التشریح المطبوع فی بیروت بحوالہ محترم حکیم علی احمد نیر واسطی، ہاشمی طب العرب ص ۲۲۵ لاہور ۱۹۵۴ء۔

کے لیے راکھ بھرنا وغیرہ۔ یہ تمام وہ اعمال تھے جو عربوں میں یونانی علوم کے عربی زبان میں منتقل ہونے کے پہلے سے چلے آرہے تھے بلکہ بعض تو ان میں سے عربوں کے علاوہ کہیں اور نہ تھے جیسے کَیْ ہے کہ بہت ساری لا علاج بیماریوں میں یہ نہایت مؤثر طریقۂ علاج ہے اور صرف عربوں کا مخصوص علاج ہے، اسی طرح فصد بھی عرب جیسے گرم علاقوں ہی کے لیے موزوں ہے۔

غرض یہ متعدد طریقہائے جراحی عربوں میں پہلے سے موجود تھے اور ان علاجوں سے پیشہ ور طبیب ہی نہیں بلکہ عام لوگ بھی واقف تھے چنانچہ جب جنگ احد میں سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک زخمی ہو گیا اور بار بار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پانی ڈالنے پر بھی خون بند نہ ہوا تو حضرت فاطمہ رضؓ نے ایک بوری کا ٹکڑا جلا کر اس کی راکھ زخم میں بھر دی تب خون بند ہوا[۳۲]

کپڑے کی راکھ سے خون روکنے کا طریقہ ہندوستان کے قصبات اور دیہاتوں میں بھی بہت عام ہے، خود راقم سطور کے بچپن میں اس کے سر کی چوٹ میں اس کی ایک عزیزہ نے کپڑا جلا کر اس کی راکھ زخم میں بھر دی تھی جس سے فوراً خون بند ہو گیا تھا۔

جرجی زیدان لکھتا ہے کہ ٹھنڈا پانی ڈال کر زخم کا خون روکنا اور اس کے ناکافی ہونے کی صورت میں راکھ بھرنا ان علاجات میں سے ہے جن کا اضافہ عربوں نے طب یونانی میں کیا ہے[۳۳]

حجامت، (پچھنے لگانا) عرب اپنی بہت سی بڑی چھوٹی بیماریوں کا علاج حجامت[۳۴] کے ذریعہ

---

[۳۲] ابن القیم زاد المعاد ج ۳ ص ۵۰ (مصر ۱۳۴۷ھ ۱۹۲۸ء)

[۳۳] جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی ج ۳ ص ۱۸۳

[۳۴] حجامت بروزن شکایت، یہ اردو زبان کی حجامت سے بالکل مختلف چیز ہے، یہ ان عربی الفاظ میں سے ہے جن کا اردو زبان میں آنے کے بعد مفہوم بالکل بدل گیا ہے۔

کرتے تھے، یہ طریقہ عرب کا بہت ہی مشہور طریقہ تھا اور اس کے جاننے والے کثرت سے تھے، حجامت عرب کے نہایت عمدہ علاجوں میں شمار ہوتا تھا، پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی حدیثوں میں اس کی تعریف و تحسین فرمائی ہے حتیٰ کہ ایک حدیث میں تو آپ نے یہاں تک فرمایا کہ: ان کان فی شیءٍ من ادویتکم خیر ففی شرطۃ محجمٍ، او شربۃ عسل او لذعۃ نار توافق الداء[۳۵]"

(اگر تمہاری دواؤں میں سے کسی دوا میں خوبی ہے تو وہ حجامت کے نشتر میں ہے یا شہد کے گھونٹ میں ہے یا بیماری کے حسب حال آگ سے داغنے میں ہے۔)

اور ایک حدیث میں ہے کہ: ان امثل ما تداویتم بہ الحجامۃ والقسط البحری[۳۶]

(تمہاری دواؤں میں سب سے عمدہ چیز حجامت اور قسط بحری ہے۔)

ایک موقع پر آپ نے حجامت کے متعلق ارشاد فرمایا کہ: ھذا من خیر ما تداوی بہ الناس[۳۷] (انسان نے جتنی چیزوں سے بھی علاج معالجہ کیا ہے ان میں یہ بہترین چیزوں میں سے ہے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود حجامت کراتے رہتے تھے، انصار کے غلاموں میں ایک شخص ابو طیبہ اچھا حجّام (پچھنے لگانے کا ماہر) تھا۔ آپ نے اس سے حجامت کرائی اور اسے اس کی اجرت عطا فرمائی[۳۸]

عرب میں حجامت کے ماہر تو خیر ماہر تھے ہی عام لوگ بھی اس قدر واقفیت رکھتے تھے

---

[۳۵] احمد، بخاری، مسلم۔ (شوکانی، نیل الاوطار ج ۸ ص ۲۱۵ مصر ۱۹۶۲ء)

[۳۶] بخاری عن انسؓ (خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۸۔ دہلی ۱۳۷۵ھ)

[۳۷] مسند احمد۔ (الساعاتی، الفتح الربانی ج ۱۷ ص ۱۲۳۔ مصر ۱۳۷۲ھ)

[۳۸] ہیثمی، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۹ (ط ۱ قاہرہ ۱۳۵۲ھ) ابن حجر عسقلانی: الاصابہ ج ۴ ص ۱۱۴ (مصر ۱۹۳۹ء)

کہ ان کو یہ معلوم تھا کہ کون سے حصّہ جسم پر حجامت کرنا کس بیماری کے لیے مفید ہے مثلاً ان کے یہاں معمولی لوگ بھی یہ جانتے تھے کہ اَخْدَعَ عَلَیْن[۳۹] پر حجامت کرنا گردن سے اوپر اوپر کی بہت ساری بیماریوں مثلاً سر کی، چہرے کی، دانتوں کی، کانوں کی، آنکھوں کی، اور ناک کی بیماریوں کے لیے مفید ہے بشرطیکہ وہ امراض خون کی کثرت، اس کے فساد یا ان دونوں باتوں کی وجہ سے ہو۔

اسی طرح ٹھوڑی کے نیچے حجامت کرنے سے دانتوں، چہرے اور حلقوم کے درد میں بھی فائدہ ہوتا ہے اور سر کی صفائی ہو جاتی ہے، قدم پر حجامت کرنا صافن — ٹخنے کے نیچے کی ایک رگ کی حجامت کا بدل ہو جاتا ہے اور اس سے رانوں اور پنڈلیوں کے پھوڑے ٹھیک ہو جاتے ہیں اور انقطاع طمث کے لیے بھی مفید ہے اور انثیین کی خارش کے لیے بھی مفید ہے۔

سینہ کے نچلے حصے میں حجامت ران کے پھوڑوں اور خارش وغیرہ کے لیے، نقرس، بواسیر، داء الفیل اور پیٹھ کی خارش کے لیے مفید ہے۔

اس طور پر یہ تنہا حجامت گویا ایک مستقل نظام علاج ہے جس میں جسم کے مختلف حصّوں پر حجامت کرنے سے کئی کئی بیماریوں سے نجات مل سکتی ہے مگر اس کے لیے موسم، آب و ہوا، مزاج اور خود فنی واقفیت شرط ہے۔ جیسا کہ اگلے عنوان سے ظاہر ہوگا۔

حجامت کن خطّوں اور کن مزاجوں کے لیے مفید ہے؟ حجامت صرف اہل حجاز اور ان علاقوں کے باشندوں کے لیے مفید ہے جو گرم ہیں، اس لیے کہ ان کا خون پتلا اور جسم کے بیرونی حصوں کی طرف مائل ہوتا ہے، خارجی حرارت اس کو سطح جسم کی طرف کھینچتی رہتی اور چمڑے کے قریب جمع کرتی رہتی ہے اور اس لیے کہ ان کے مسامات بدن نسبتہً کشادہ ہوتے ہیں[۴۰]

---

۳۹ گردن کے دونوں طرف کی دو رگوں کا نام ہے۔

۴۰ الشوکانی، نیل الاوطار ج ۸ ص ۲۱۱، از ابن القیم زاد المعاد۔

ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو بھی کوئی سر کے درد کی شکایت کرتا آپ اس کو حجامت کا مشورہ دیتے، اور جو کوئی پیروں میں درد کی شکایت کرتا تو آپ مہندی لگانے کا مشورہ دیتے تھے[۱] اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک درد میں اپنے کولھوں پر حجامت کرائی[۲]

حجامت کی شفا بخشی کا ایک حیرت انگیز واقعہ ابن ابی اُصیبعہ کا بیان ہے کہ ایک بار مہدی بن منصور خلیفہ کو ایک مرض لاحق ہوا جو فالج کے مشابہ تھا، تمام اطباء جمع ہوئے اور غور و فکر اور صلاح و مشورہ کے بعد اتفاق رائے سے اس مرض کو فالج قرار دے دیا، ابو قریش عیسیٰ نے جو اس عہد کا ماہر طبیب تھا اس نے کہا کہ مہدی جس کا باپ منصور ہو اور دادا محمد ہو اور پردادا علی ہو اور سکڑ دادا عباس ہو اور اس کو فالج ہو جائے؟؟ خدا کی قسم ناممکن ہے۔ اس خاندان کو اور ان کی نسل کو کبھی فالج ہو ہی نہیں سکتا، اِلّا یہ کہ یہ لوگ رومی یا صقلبی یا اسی قسم کی عورتوں سے شادی کریں اور ان کے بطن سے کوئی اولاد پیدا ہو تو اس اولاد میں بالکل ممکن ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ بعد میں اس خاندان کے افراد نے ان عورتوں سے شادیاں کیں اور ان کی اولادوں کو فالج ہوا، ملاحظہ ہو عیون الانباء فی تاریخ الاطباء صـ۲۱۶ و مابعد۔ اس کے بعد ابو قریش طبیب نے حجّام (پچھنے لگانے والے) کو بلوایا اور اس نے ان کی ہدایت کے مطابق سینگی لگائی، اس قصے کے راوی یوسف بن ابراہیم کہتے ہیں کہ خدا کی قسم مہدی کے جسم سے ابھی ایک ہی سینگی خون نکلا تھا کہ اس کے دونوں ہاتھوں میں پوری قوت آگئی اور دوسری سینگی لگنے کے ساتھ ہی وہ بات چیت کرنے لگا۔

---

[۱] الشوکانی، نیل الاوطار ج ۸ صـ۲۱۶

[۲] ابوداؤد، نسائی (شوکانی، نیل الاوطار ج ۸ صـ۲۱۱)

اور حجام ابھی اپنے کام سے فارغ نہ ہوا تھا کہ مہدی کا دماغ اور ذہن و فکر پوری طرح کام کرنے لگا[43]

اسی طرح ابن ابی اصیبعہ نے ماسویہ کی مسیحائی کے متعلق لکھا ہے کہ ایک بار ہارون رشید کی آنکھوں میں تکلیف ہوئی اور اس نے ایسی شدت اختیار کی کہ تمام اطباء نے جواب دے دیا، ہارون رشید کا وزیر فضل بن الربیع ماسویہ کی طبابت کے کرشمے دیکھ چکا تھا اور ہارون رشید کی بارگاہ میں ابھی تک ماسویہ کی معجز نمائیوں کا مشاہدہ نہیں ہو سکا تھا چنانچہ اس نے ماسویہ کو بلایا، ماسویہ نے دیکھتے ہی کہا کہ فوراً حجام کو بلوائیے، حجام آیا اور ماسویہ نے خلیفہ کی دونوں پنڈلیوں پر سینگی لگوائی اور اس کی آنکھوں میں کوئی دوا ٹپکائی فوراً ہی آثارِ صحت ظاہر ہونا شروع ہو گئے اور دو یوم میں خلیفہ بالکل صحت یاب ہو گیا[44]

احادیث نبویہ میں حجامت کی تعریف مختلف عنوانات سے بہت آئی ہے۔

حجامت کے نقصانات جبکہ وہ بے ضرورت اور بلا امتلاء یا بے بصیرتی سے ہو۔

محدث رزین بن معاویہ سیر قسطی (وفات ۵۳۵ھ ۱۱۴۰ء) نے اپنی کتاب جامع الاصول میں حضرت ابو کبشہ انماری صحابی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بکری کے گوشت میں زہر دیدیا گیا تھا اس زہر کے علاج کے طور پر آپ نے اپنے سر پر حجامت کرائی تھی، اس واقعہ کے ایک راوی مَعْمَر کہتے ہیں کہ میں نے بھی بغیر کسی زہر وغیرہ کے اپنے یافوخ (سر کی چندیا) پر حجامت کرا لی تو میری یادداشت ماری گئی اور حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ مجھے نماز میں سورۂ فاتحہ تک میں لقمہ لینے کی ضرورت پڑتی تھی[45]

ظاہر ہے کہ یہ اثر سوء تدبیر اور ناواقفیت سے یہ کام کرنے کا تھا، بذات خود

---

[43] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء ص۲۱۶ (بیروت ۱۹۶۵ء)

[44] المصدر سابق ص۲۴۳ [45] الخطیب التبریزی، مشکوٰۃ ص۳۹۱ (دہلی ۱۳۷۵ھ)

. حجامت کا یہ اثر نہیں ہے ۔

حجامت کے لیے مناسب ایام و اوقات | عربوں کے یہاں حجامت کے لیے مخصوص دن موسم اور ساعات تھیں انہی ساعات و ایام میں وہ یہ علاج کرتے تھے اور ان اوقات کا وہ بہت اہتمام کرتے تھے حتیٰ کہ مریض کی سخت تکلیف اور لوگوں کے سخت تقاضوں کی بھی وہ اس سلسلے میں پرواہ نہیں کرتے تھے اس کی تفصیلات تو اس فن کی مستقل تصانیف میں دیکھنی چاہئیں، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آپ کے معمولات سے جو اوقات اور ساعات اس کے لیے موزوں اور غیر موزوں معلوم ہوتے ہیں وہ بھی خاصا تفصیل طلب موضوع ہے حافظ ابن قیم الجوزیہ نے زاد المعاد فی ھدی خیر العباد[۴۶] میں اس کی جو تفصیل درج کی ہے اس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، ہمارے یہ صفحات اس کو بھی نقل کرنے کی اجازت نہیں دیتے ۔

بہت سارے اطباء نے حجامت ہی کو موضوع بنا کر اس پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں، مشہور طبیب بختیشوع بن جبریل نے ایک کتاب سوال و جواب کے انداز پر کتاب الحجامۃ لکھی ہے[۴۷] اسی طرح طب یونانی کی دنیا میں بڑی شہرت رکھنے والے طبیب یوحنا بن ماسویہ نے کتاب فی الفصد والحجامۃ[۴۸] تصنیف کی، اسی نام سے ایک کتاب عیسیٰ بن ماسہ کی ہے[۴۹]، ایک کتاب الحجامۃ علی بن سہل بن ربن طبری کی[۵۰] ہے، یہ سب لوگ طب یونانی ـــــ اور زیادہ صحیح لفظوں میں طب اسلامی ـــــ کے آفتاب و

---

[۴۶] ابن القیم، زاد المعاد ج ۳ ص ۸۱ - ۸۲ (مصر ۱۳۴۷ھ ۱۹۲۸ء)

[۴۷] ابن ابی اصیبعۃ، عیون الانباء ص ۲۰۹ [۴۸] حوالۂ سابق ص ۲۵۵ [۴۹] ایضاً ص ۲۵۷

[۵۰] ایضاً ص ۴۱۴ ۔

ماہتاب ہیں، اس عہد میں بعض اطباء یہودی یا عیسائی بھی تھے مگر ان کو بھی اسلامی طب ہی کا نمائندہ اور اسلامی معاشرہ کا جزو ہی کہا جائے گا کیونکہ یہ سب لوگ اسلامی عہد ہی کے پروردہ اور اسلامی طب ہی کے پیدا کردہ تھے۔

اوپر اہل یونان کی جراحی کے ضمن میں البقراط کی بھی ایک کتاب الفصد والحجامہ کا ذکر آچکا ہے۔

"کی" (داغنا) کی کا رواج عربوں میں بہت قدیم زمانے سے تھا، عرب کی کہاوت ہے "آخر الدواء الکی" (آخری علاج داغنا ہے) جیسے آج کل ڈاکٹر لوگ کہتے ہیں کہ ہم دوا دارو کر رہے ہیں فائدہ ہو گیا تو ٹھیک ہے ورنہ آخر آپریشن تو ہے ہی۔ یعنی جس طرح آخری حیلہ آج آپریشن ہے اسی طرح دوا دارو کے بعد گویا آخری چیز کی تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات سے اور اپنے عمل سے اس کی بہت حوصلہ افزائی کی ہے اور ساتھ ہی احتیاط کا بھی مشورہ دیا ہے۔

کی کی دو قسمیں ہیں:

★ آگ کے ذریعہ۔

★ تیز دواؤں کے ذریعہ۔ جیسے لہسن وغیرہ سے بعض جلدی بیماریوں کو جلایا جاتا ہے۔

مشہور عرب سرجن ابوالقاسم الزہراوی نے اپنی کتاب "التصریف لمن عجز عن التالیف" میں ایک مستقل باب میں نہایت شرح وبسط سے پینسٹھ ۶۵ فصلوں میں مکمل وجامع بحث کی ہے۔

کی کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل اجازت وممانعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں کی کی تعریف بہت سے مواقع پر فرمائی ہے وہیں متعدد مواقع پر آپ نے اس کو منع بھی فرمایا ہے جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس کام میں جتنی احتیاط کی ضرورت ہے وہ ہر شخص ملحوظ نہیں رکھ سکتا اور اس کے لیے جس قدر مہارت اور تجربہ کاری ضروری ہے وہ بھی ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ جو

آپ کے خادم خاص اور خلوت و جلوت کے مشاہد ہیں انھوں نے اسی ممانعت کے شبہ کو دور کرنے کے لیے بیان فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کو ذات الجنب میں کَی کا عمل کیا گیا آپ نے نہ اس کو منع فرمایا اور نہ اس کے متعلق کسی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا[51] بلکہ ہم کو بہت سی احادیث ایسی ملتی ہیں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس کَی کا عمل فرمایا جیسا کہ امام مسلم بن الحجاج القشیری نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے کہ جب جنگ احزاب میں حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کی اکحل (بازو کی ایک رگ) پر تیر لگا تو آپؐ نے خود بنفس نفیس اس پر عملِ کَی فرمایا تھا۔[52] اسی طرح امام مسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کیا ہے[53] کہ ان کی اکحل میں بھی تیر لگ گیا تھا اس کو آپ نے تیر کے پھل (حصۂ آہنی) سے داغا اس کے بعد بھی جب اس پر سوجن آگئی تو آپؐ نے اس کو دوبارہ داغ دیا۔

اسی طرح سنن ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپؐ نے اسعد بن زرارۃ رضی اللہ عنہ کی شوکۃ (ایک قسم کی سرخ پھنسی) پر داغ دیا تھا۔[54]

آپؐ کا ارشاد گزر چکا ہے کہ شفا تین چیزوں میں ہے: حجامت کی سینگی میں، شہد کے گھونٹ میں، اور آگ سے داغ دینے میں، اور پھر آپؐ نے داغ دینے کی نزاکت کے پیش نظر ارشاد فرمایا کہ وانا انھیٰ امتی عن الکی[55] (میں اپنی امت کو کَی سے روکتا ہوں)

ابن حبان نے بیان کیا ہے کہ کچھ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارا فلاں آدمی فلاں بیماری میں مبتلا ہے اس کو ہم کَی کر لیں؟ آپؐ خاموش رہے اسی طرح وہ بار بار پوچھتے رہے اور آپؐ نے ہر بار خاموشی اختیار فرمائی اور راوی

---

[51] ابن القیم، زاد المعاد ج ۳ ص ۸۳ (مصر ۱۳۴۷ھ) [52] الخطیب التبریزی، المشکوۃ ص ۳۸۸ (دہلی ۱۳۷۵ھ) [53] حوالۂ سابق۔

[54] حوالۂ سابق ص ۳۸۸ [55] ایضاً ص ۳۸۸۔

کہتے ہیں کہ یہ تین بار ہوا جس کا مطلب ناپسندیدگی ہی تھا۔[۵۶] امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی المسند میں اسی روایت میں مزید یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ نے آخر نا گواری کے ساتھ فرمایا ارضفوہ ان شئتم[۵۷] (تم چاہتے ہی تو کسی پتھر دتھر سے جھلس ڈالو اس کو)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کی کرنے سے منع فرمایا تھا ہم نے اس کے باوجود کیا تو فائدہ نہیں ہوا۔[۵۸]

یہاں اس حقیقت پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ایک ہی عمل کو کبھی آپؐ نے منع فرمایا اور کبھی اس کی تعریف فرمائی بلکہ خود بھی اس کام کو کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح آج ہم جانتے ہیں کہ ہر عامی شخص تو کیا ہر ڈاکٹر بھی اوپریشن نہیں کرسکتا بلکہ جس نے اس فن میں (سرجری میں) مہارت حاصل کی ہے وہی کرسکتا ہے اسی طرح عمل کی بھی سرجری کی ہی ایک شاخ ہے آپؐ نے جن لوگوں کو اس کی اجازت نہیں دی وہاں اس کے ماہرین نہ ہوں گے اور جہاں اس کو پسند فرمایا وہ اس کی اپنی واقعی افادیت کی وجہ سے تھا۔ ظاہر ہے کہ آگ جو کہ دشمن ہے اس سے نفع اٹھانا کس قدر سوجھ بوجھ اور احتیاط چاہتا ہے، اگر ہر اناڑی کو اس کی اجازت دے دی جائے تو فائدے سے زیادہ نقصان کا اندیشہ ہے، لہٰذا جن احادیث سے ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ اسی احتیاط پر مبنی ہیں۔

حافظ ابن القیم الجوزیہ تحریر فرماتے ہیں کہ جن چند باتوں کا طبیب کو خاص خیال رکھنا چاہیے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی کوشش ہر قیمت پر ازالۂ مرض ہی کی نہ ہونی چاہیے بلکہ اس کو اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ کہیں سردست مرض کے وقتی

---

[۵۶] علی بن ابی بکر الہیثمی، موارد الظمان الی زوائد صحیح ابن حبان ص ۳۴۱ دالقاہرہ سن ندارد۔

[۵۷] الساعاتی، الفتح الربانی ج ۱۷ ص ۱۶۴ (مصر ۱۳۷۲ھ)

[۵۸] علی بن ابی بکر الہیثمی، موارد الظمان ص ۳۴۱۔

ازالے سے کوئی دوسری بڑی آفت تو نہیں کھڑی ہو جائے گی اگر اس کا اندیشہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ کسی بڑی آفت کو دعوت دینے کے بجائے اسی چھوٹے مرض کو باقی رہنے دیا جائے۔ بس خیال رہے کہ وہ مرض مزید بڑھنے نہ پائے، اور اس قسم کے امراض کی مثال میں وہ بیان فرماتے ہیں کہ جیسے رگوں کے منہ کی بیماریاں ہیں کہ اگر ان کا علاج قطع یا حبس کے ذریعہ کیا جائے گا تو مزید خطرناک ثابت ہو سکتا ہے[59]

ممانعتِ کَی کے وجوہ واسباب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کَی کو کیوں منع فرمایا اس کا خلاصہ ہم اپنے فہم کے مطابق بیان کر چکے ہیں اب چند علماء سلف کے اقوال بھی اس سلسلے میں پڑھ لیجیے:

ابن منظور افریقی لکھتے ہیں کہ اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں:

اوّل: یہ کہ کچھ لوگوں کا عقیدہ تھا کہ کَی ایسا واحد ذریعۂ علاج ہے کہ مرض کا استیصال بس اسی کے ذریعہ ہو سکتا ہے اور جب اس کو اختیار کر لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ مرض کا ازالہ نہ ہو، وہ فرماتے ہیں کہ شفاء و مرض ہر حال میں اذنِ الٰہی پر موقوف ہے، اس حد تک کسی تدبیر پر اعتماد عقیدے کی کمزوری ظاہر کرتا ہے اس لیے اس کو ایسے حالات میں منع فرمایا گیا ہے۔

دوم: یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ کچھ لوگ اس کا استعمال مرض کے لاحق ہونے سے قبل ہی بطور احتیاط کر لیا کرتے تھے، آپ کے منع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ محض ایک موہوم اندیشے کے تحت اس قدر تکلیف کیوں برداشت کی جائے[60]

ابو عبداللہ محمد بن علی المازری (المتوفی ۵۳۶ھ مطابق ۱۱۴۱ء) کی رائے یہ ہے کہ اس

---

[59] ابن القیم، زاد المعاد ج ۳ ص ۱۰ (مصر ۱۳۴۷ھ ۱۹۲۸ء)

[60] ابن المنظور الافریقی، لسان العرب ج ۱۰ ص ۲۳۵ ملخصاً۔

ممانعت کا منشاء یہ ہے کہ اس آخری تدبیر کو اس وقت تک مؤخر کیا جائے اور اس وقت جب تک کہ معالج اس کے لیے مجبور نہ ہو جائے، اس لیے کہ بسا اوقات کَی کی تکلیف اس مرض کی تکلیف سے بڑھ جاتی ہے جس کا علاج کیا جا رہا ہے [۶۱]

ابن القیم فرماتے ہیں کہ جہاں تک مذکورہ بالا قصے میں عمران بن حصین کو منع فرمانے کا تعلق ہے تو خاص اس کیس میں ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ وہ ناسور تھا اور ایک بہت نازک اور خطرناک مقام پر واقع تھا اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغرض احتیاط منع فرما دیا تھا۔ اس لیے ممانعت دراصل کَی سے متعلق نہیں بلکہ مرض کی صورتِ حال کی وجہ سے تھی [۶۲]

حُنَین بن اسحاق العبادی [۶۳] نے الکَی کی اس مخصوص شاخ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے کہ اس میں استعمال ہونے والی دواؤں میں سے کون سی کس مرض میں اور مرض کی کس کیفیت میں زیادہ بہتر ہے اس کتاب کا نام "کتاب اختیار الادویۃ المحرقۃ" ہے۔ [۶۴]

جرجی زیدان نے کتاب تاریخ التمدن الاسلامی" میں ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے " ما أحدث المسلمون فی الطب" (طب کے سلسلے میں مسلمانوں کی ایجادیں) اس میں اس نے الکَی کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ اور اس کو قدیم عربی طب کا سرمایہ قرار دیا ہے [۶۵]

فصد اور قطع عُروق | عرب کے قدیم علاجوں میں سے ایک علاج فصد کھولنا اور بعض

---

[۶۱] ابن القیم، زاد المعاد ج ۳ ص ۷۹ [۶۲] حوالہ سابق ج ۳ ص ۸۳ [۶۳] حنین بن اسحاق عبادی ابو زید (پیدائش ۱۹۴ھ ۸۱۰ء وفات ۲۶۰ھ ۸۷۳ء) طب تاریخ اور ترجمانی کتب کا امام تھا اصل حیرہ (عراق) کا باشندہ تھا عربی زبان میں خلیل بن احمد مشہور امام نحو و لغت کا شاگرد تھا اور طب یوحنا بن ماسویہ وغیرہ سے سیکھی، مامون نے اس کو اپنے دار الترجمہ کا ڈائرکٹر بنایا تھا۔ بغداد میں وفات پائی (الاعلام ج ۲ ص ۳۲۵) [۶۴] ابن الندیم، الفہرست۔ مقالہ ہفتم کا فن سوم۔
[۶۵] جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی ج ۳ ص ۱۸۳ ص ۱۸۴۔

مخصوص رگوں کو کاٹ کر کچھ خاص خاص بیماریوں کا علاج کرنا بھی تھا، اس طرح وہ کچھ زائد خون نکال دیتے تھے یا جو فاسد خون مرض کا سبب ہوتا تھا اس کو خارج کر دیتے تھے یہ طریقۂ علاج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی رائج تھا چنانچہ مسند امام احمد اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کی ایک بیماری میں ان کے پاس ایک طبیب کو بھیجا جس نے ان کی ایک رگ کاٹی (اور کچھ خون نکالا) اور پھر اس کو آگ سے داغ دیکر خون روک دیا[66]

فصد وحجامۃ پر یوحنا ابن ماسویہ کی ایک کتاب کا ذکر ابھی چند صفحات قبل آچکا ہے اس کے علاوہ عیسیٰ بن ماسہ نے بھی اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے، ابوالحسین عبداللہ بن عیسیٰ بن بختویہ نے ایک کتاب "کتاب القصد الی معرفۃ الفصد" کے نام سے لکھی ہے[67] قسطا بن لوقا بعلبکی (وفات لگ بھگ ۳۰۰ھ ۹۱۲ء) جو ایک بڑا فلسفی اور ریاضی داں تھا طب سے بھی اچھی واقفیت رکھتا تھا، اس نے معتمد عباسی کے وزیر ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد جو ابن المدبّر کے نام سے مشہور تھا (وفات ۲۷۹ھ ۸۹۳ء)[68] اس کے لیے فصد کے موضوع پر ایک مبسوط کتاب لکھی جو ایک نوے ابواب پر مشتمل تھی[69]۔

محمد بن زکریا رازی نے امیر ابوعلی احمد بن اسماعیل بن احمد کے لیے ایک کتاب لکھی تھی جس میں اس پر بحث کی تھی کہ استفراغات امتلائیہ کے وقت فصد سب سے بہترین تدبیر ہے اور یہ کہ جب فصد کی ضرورت پیدا ہو جائے تو پھر کوئی دوسری چیز ہرگز اس کا بدل نہیں بن سکتی ہے[70]

---

[66] شوکانی، نیل الاوطار ج ۸ ص۲۱۲ (قاہرہ ۱۹۵۲ء)

[67] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء ص۳۲۴ [68] الزرکلی، الاعلام ج ۱ ص۵۶

[69] یہ رومی الاصل تھا اس کا عہد مقتدر باللہ کا تھا۔

[70] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء ص۴۲۶

طبیب شہیر ابوجعفر احمد بن ابراہیم جو ابن الجزّار کے نام سے مشہور ہے اس نے ایک مستقل رسالہ اس موضوع پر تالیف کیا ہے کہ جب اخراج دم کی واقعی ضرورت ہو تو اس وقت اخراج دم کے کیا کیا نقصانات ہو سکتے ہیں اور یہ کہ اس سے کس قدر احتیاط ضروری ہے[1] یہ چندان کتابوں کا ذکر تھا جو مستقل طور پر فصد و حجامت اور قطع عروق کے موضوع پر لکھی گئی ہیں، ورنہ طب یونانی کی جملہ کتابوں میں یہ مباحث خاصی تفصیل سے دیئے گئے ہیں۔

منافع فصد حافظ ابن قیم جو ایک محدث کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں مگر ان کی طبی بصیرت بھی بڑی گہری ہے، زاد المعاد جو دراصل سیرت نبوی کی ایک کتاب ہے اس میں ابواب طب پر سیر حاصل بحث کی ہے، زاد المعاد کے انہی ابواب طب کو علیحدہ کتابی شکل میں بھی "الطب النبوی" کے نام سے شائع کر دیا گیا ہے، اس میں انھوں نے فصد کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"ہر رگ کی فصد کے فوائد جدا جدا ہیں، مثلاً باسلیق کی فصد حرارت کبد وطحال کے لیے اور ان تمام اورام کے لیے مفید ہے جو ان دونوں میں خون کے اثر سے ہوتے ہیں۔ اسی طرح اورام رئہ (پھیپھڑے کے اورام) کے لیے، شوصہ کے لیے ذات الجنب کے لیے اور ان تمام امراض دمویہ کے لیے مفید ہے جو گھٹنے کے نیچے سے کولھوں تک عارض ہوتے ہیں۔

اکحل کی فصد پورے جسم کے ہر قسم کے امتلاء دموی کے لیے مفید ہے اسی طرح جسم میں کہیں بھی فساد خون ہو جائے تو اکحل کی فصد اس کے لیے مفید ہے۔

قیفال کی فصد سر اور گردن کی اُن تمام بیماریوں کے لیے مفید ہے جو کثرت دم یا فساد دم کی وجہ سے ہوتی ہیں۔

---

[1] حوالۂ سابق ص۴۸۲ (بیروت ۱۹۶۵ء)

وتد تجبین کی فصد وجع طحال، ربو، اور وجع الجبین کے لیے مفید ہے[۵۲]

آئندہ صفحات میں دو واقعات فصد کی حیات بخشی کے بہت حیرت انگیز آرہے ہیں کہ جن مریضوں کو بہت سے معالجوں نے مردہ قرار دے دیا تھا ان کو ایک ماہر فصاد نے صرف فصد لگائی اور اللہ نے ان کو حیاتِ نو بخشی۔ ان چیزوں کے ذکر سے مقصود یہاں ان مباحث کی تفصیلات بیان کرنا نہیں ہے بلکہ محض چند مثالوں اور اطبار کی چند رایوں سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ سرجری کی جن قسموں کا اسلامی عہد میں رواج رہا ہے وہ شفا بخشی میں کیسی مؤثر اور کس قدر تیر بہدف تھیں۔ اور مسلم سرجن مرض کی شناخت اور اس کے علاج کے سلسلے میں کیسی نگاہ نکتہ رس اور حدتِ صائب رکھتے تھے۔ (جاری)

نیل سے فرات تک

محمد اقبال صاحب انصاری مصر اور دیگر عرب ممالک بغرض مطالعہ گئے اور اپنے مشاہدات و تاثرات کو خطوط کے ذریعہ اپنے دوست سعید اختر صاحب کو لکھتے رہے۔ یہ کتاب انھیں خطوط کا مجموعہ ہے۔ زیادہ تر خطوط مصر سے لکھے گئے ہیں لیکن ان میں مکتوبات لبنان، شام، اردن، حجاز اور بغداد بھی شامل ہیں۔ آخری خط میں جو یروشلم سے لکھا گیا ہے انصاری صاحب نے اسرائیل کی تاریخ اور اس کے قیام کی کوششوں کا پورا جائزہ لیا ہے۔

صفحات ۱۸۴ قیمت مجلد -/۷

پتہ: مکتبہ برہان، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۶

---

[۵۲] ابن القیم، زاد المعاد ج ۳ ص۵۸ ص۵۹ ۔